

تفسیر ماتریدی

یا

تاویلات اهل السنہ

(۷)

محمد صغیر حسن معصومی

وقولہ : ”فأما الذين آمنوا فليعلمون انه الحق من ربهم“ : بہر حال، جو، ایمان والے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کے پروردگار سے حق ہے، یعنی وہ جانتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے جسم و جثہ والے جانداروں کی مثل حق ہے۔ کیونکہ وہ ان میں حکمت و لطافت کی عجیب عجیب گلکاریاں دیکھتے ہیں۔

وقولہ : ”والمذنبون كفروا فيقولون ماذا اراد الله بهذا مثلا، اور جو لوگ اللہ کو نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ ایسی مثل سے اللہ تعالیٰ کا کیا مطلب ہے؟ یعنی ان کو ان جانداروں میں حکمت و فن کی عجیب و غریب کارستانیوں نظر نہیں آتیں، وہ صرف ان کی حقیر اور کمتر جسامت کو دیکھتے ہیں۔

وقولہ : ”يضل به كثيرا و يهدى به كثيرا“ : اللہ تعالیٰ ایسی مثالوں سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کی رہنمائی۔

یہ آیت معتزلہ کے نظریہ کے خلاف ہے، یعنی جب کفار کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی مثل سے کیا مراد لیا ہے، تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ : ”اللہ کا مقصد ہے کہ اس مثل سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے، اور یہ بھی اس کا ارادہ ہے کہ اس مثل سے بہتوں کو راستہ دکھائے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ ان کو گمراہ کرتا ہے جن کے متعلق وہ جانتا ہے کہ اللہ کے علم میں ہے کہ اس مثل سے یہ لوگ گمراہی اختیار کریں گے۔ اور ہدایت

ان لوگوں کی کرتا ہے جن کے بارے میں اللہ کو علم ہے کہ یہ لوگ ہدایت اختیار کریں گے۔ غرض اللہ تعالیٰ ہر ایک سے اپنے علم کے مطابق ارادہ کرتا ہے کہ وہ اپنی پسند اختیار کرے، واللہ اعلم۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو ہر ایک کی ہدایت کرنا چاہتا ہے لیکن وہ لوگ ہدایت نہیں پاتے۔ دیگر اینکہ وہ ”اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے،“ یعنی گمراہ میں ضلالت کے فعل کو اور ہدایت یافتہ میں ہدایت پانے کے فعل کو پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ ”اهدنا الصراط المستقیم“ کے ماتحت بیان مذکور ہوا۔

وقوله: ”وما يضل به الا الفاسقين“ اور ایسی مثل سے وہ صرف بدکاروں ہی کو گمراہ کرتا ہے۔ یعنی اس مثل سے اللہ تعالیٰ نہیں گمراہ کرتا مگر فاسق ہی کو جو اس میں کوئی خوبی اور لطافت ذرہ برابر بھی نہیں دیکھتا ہے۔
وقوله: ”الذين ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه“: یہ وہ فاسق ہیں جو اللہ تعالیٰ سے قول و قرار کرنے کے بعد اپنے عہد کو توڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے عہد کرنے کی دو توجیہیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ عہد خلقت: اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق باری تعالیٰ کی وحدانیت پر شہادت ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) وفي انفسكم افلا تبصرون (الذاریات: ۲۱)“، کیا تم اپنی ذات میں نہیں دیکھتے؟ (کہ کس طرح اللہ نے پیدا کیا ہے)۔

(۲) ”او لم يتفكروا في انفسهم (الروم: ۸)“ کیا یہ لوگ اپنی ذات میں غور و فکر نہیں کرتے؟ مطلب یہ ہے کہ اگر اپنی ذات میں نظر کریں اور تامل سے کام لیں تو اپنے بنانے والے کو پہچان لیں کہ وہ ایک اور یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

۲۔ عہد رسالت: انبیاء اور رسولوں (علیہم السلام) کی زبان پر (رسالت

کا عہد اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے لیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”وقال الله انى معكم لئن اقمتم الصلاة و اتيمم الزكاة و امنتم برسلى (المائده : ۱۲)“، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، بے شک میں تم لوگوں کے ساتھ ہوں، البتہ اگر تم نے نماز ادا کی، زکات دی، اور میرے رسولوں پر ایمان لائے۔ (تو میں تمہارے ساتھ ہوں)۔

”واذ اخذ الله ميثاق الذين اوتوا الكتاب (ال عمران : ۱۸۷) الآیة،“ اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے پختہ وعدہ لیا جو کتاب دئے گئے ہیں۔، تو ان لوگوں نے عہد خلقت اور عہد رسالت، دونوں کو توڑ دیا۔

وقوله : ”ويقطعون ما امر الله به ان يوصل“، اور وہ لوگ اس کو کاٹ دیتے ہیں جس کو جوڑنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

دو مفہوم کا احتمال ہے : (۱) بعض رسولوں پر ایمان نہیں لائے، حالانکہ سارے انبیاء رسل پر ایمان لانے کا حکم ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کے قول کو بیان کرتا ہے: ”نؤمن ببعض و نكفر ببعض (النساء : ۱۵۰) (ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں، اور بعض کا انکار کرتے ہیں)۔

(۲) بعض یہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے، مگر یہ لوگ ملنا جلنا ترک کرتے ہیں۔

وقوله : ”و يفسدون فى الارض“، اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔

اس کا مفہوم بھی دو طرح بیان کیا جاتا ہے : (۱) لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ”يامرون بالمنكر و ينهون عن المعروف (التوبة : ۶۷) (برائی کا حکم دیتے ہیں اور نیکی سے منع کرتے ہیں)۔

بعض یہ کہتے ہیں (۲) کہ خود یہ لوگ زمین میں فساد برپا کرتے

ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ”ووسعون فی الارض فسادا، (المائدہ: ۳۳، ۶۳) (اور زمین میں دوڑتے ہیں فساد کرنے کو)۔

وقوله: ”اولئک ہم الخاسرون،“ یہی ہیں وہ لوگ جو نقصان اٹھاتے ہیں۔

یہاں بھی دو مفہوم کا احتمال ہے: (۱) نقصان اٹھائے کہ دنیا میں اپنی آرزووں اور خواہشوں کو نہ پاسکے، اور سب رائیگاں گئیں۔

حسن (بصری) سے روایت ہے کہ انہوں نے ’ہم الخاسرون، کے بارے میں کہا کہ انہوں نے اپنے نفوس آگ کے طبقوں میں ڈال دئے، کہ کفر اختیار کیا، اور یہ کھلا نقصان ہے۔

وقوله: ”کیف تکفرون باللہ وکنتم اسواتا فاحیا کم ثم یمیتکم ثم یمیکم،“ تم کیوں کر اللہ کا انکار کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، تم کو اللہ تعالیٰ نے حیات بخشی، پھر تم کو موت دیا اور پھر زندہ کریگا،۔

چند مفہوم ہوسکتے ہیں: (۱) تمہارے پاس کہاں سے دلیل آگئی کہ اللہ کے سوا بتوں کو اور ان کے سوا کو پوجنا حق ہے؟ کیونکہ ان چیزوں نے موت کے بعد کسی چیز کو نہ پیدا کیا، اور نہ زندہ کرنے کے بعد مارنے کی قدرت (ان کو ہے)۔

(۲) موت کے بعد بعث (زندہ ہو کر اٹھنے) کا کیونکر انکار کرتے ہو، یعنی بے جان نطفہ تھے اللہ تعالیٰ نے تم کو زندہ کیا۔ پہلی پیدائش کا تم انکار نہیں کرتے، پھر کیسے موت کے بعد حیات کا انکار اور بعث کا انکار کرتے ہو؟۔

(۳) موت کے بعد زندہ کرنے اور حساب و کتاب کے لئے قیامت کے دن اٹھنے کا انکار کیسے کرتے ہو، حالانکہ یہ بات عقل کو لگتی ہے کہ ساری مخلوق کو فنا کرنے کے لئے اور کسی انجام کے ارادہ کے بے غیر مارنے

کے لئے پیدا کرنا فضول اور عبث ہے۔ کیونکہ برباد کرنے اور توڑنے کو عمارت بنانا بیہودہ اور عبث ہے، اسی طرح بے غیر کسی انجام و نتیجے کے دوڑنا بیکار و بیسود ہے، پھر اللہ کے فعل کو کیسے بیکار اور عبث کہا جاسکتا ہے، اگر اللہ بزرگ و برتر نے مخلوق کے لئے کوئی جزا و سزا کی جگہ نہیں بنائی تو ان کا پیدا کرنا محض لغو، بے سود اور خالی از حکمت ہوگا، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کے ایسے فاسد افکار سے بہت بلند و بالا ہے۔

وقولہ: ”ثم اليه ترجعون“، پھر تم سب اسی اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

۱۔ یعنی تم کو علم ہے کہ تم سب اسی اللہ کی طرف واپس جاؤ گے،

اور وہی مرجع اور ٹھکانا ہے،

۲۔ تم سب اس عذاب کی طرف لائے جاؤ گے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے

لئے تیار کیا ہے۔ یہ ان لوگوں کے خلاف حجت و دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

ان کو خبر دے دی تھی کہ پہلی موت یعنی نہ پائے جانے کے بعد ان کو اللہ

تعالیٰ نے پیدا کیا، نیز اللہ تعالیٰ ان کو دوسری موت کے بعد اٹھائیکا ”پھر تم

سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے“، گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب تم یقین کرلو

کہ اسی کی طرف واپس لائے جاؤ گے۔

قولہ: ”هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً، وہی اللہ ہے جس نے

تمہارے لئے ان ساری چیزوں کو پیدا کیا جو زمین میں ہیں۔

بعض لوگوں نے اس آیت کو ”کیف تکفرون باللہ و کنتم اسواتا“ کا

صلہ بیان کیا ہے، یعنی تم اس ذات کا انکار کیسے کرتے ہو جس نے تمہارے

فائدے کے لئے زمین کی ساری چیزوں کو پیدا کیا جو اللہ کے ایک ہونے پر رہنمائی

کرتی ہیں، کیونکہ زمین میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں اللہ کی وحدانیت

پر دلیل نہ ہو،

یہ مفہوم بھی ہے کہ تم لوگ اس ذات کا انکار کیونکر کرتے ہو جس

نے تمہارے لئے زمین میں ایسی نعمتیں پیدا کیں جن کا شکر یہ ادا کرنا تمہارے لئے واجب نہیں کیا۔ تو تم لوگوں نے ان نعمتوں کے شکر یہ کا مستحق اس ذات باری کے سوا کسی دوسرے کو کیونکر سمجھا؟

اس بات کا احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی چیزوں کو تمہارے لئے ابتلا و آزمائش کی غرض سے پیدا کیا، اور دنیا میں تمہارا ان کے ساتھ امتحان لینا مقصود ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”لِیَلْبُوکُمْ اَیْکُمْ اَحْسَنَ عَمَلًا (سورة الملك : ۲)“، تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کون سب سے اچھا عمل میں ہے، پھر تم سب دوسری دنیا میں ضرور جزا دئے جاؤ گے، پھر کیونکر تم نے قیامت کے دن اٹھنے کا انکار کیا؟

علاوہ ازیں دنیا میں مخلوق کو فنا کے لئے پیدا کرنے اور آخرت کے لئے زندہ کرنے کی حکمت بیان کرنے میں حکمت و دانشمندی ہے، اور اس کے انکار کرنے میں حکمت کا فقدان لازم ہے۔

وقوله: ”ثم استوی الی السماء“ پھر اللہ تعالیٰ سما و بلندی کی طرف برابر ہو گیا، اس آیت میں چند وجوہ ہیں:

۱۔ کسی نے کہا ہے کہ دخان (دھوئیں) میں برابر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے ”استوی الی السماء وہی دخان (سورة فصلت : ۱۱) پھر آسمان کی طرف برابر ہو گیا جو دخان ہے۔

۲۔ کسی نے کہا ہے کہ ”استوی، بمعنی ”تم“ ہے یعنی پورا ہو گیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے ”بلغ اشدہ واستوی“، اپنی پوری سختی کو پہنچ گیا اور پورا برابر ہو گیا (سورة الاحقاف : ۱۵)۔

۳۔ کسی نے کہا ہے کہ ”استوی“ بمعنی استولیٰ ہے۔ یعنی غالب ہو گیا، مسلط ہو گیا۔

ایسی آیتوں کے متعلق جن میں مشبہہ (۱) یعنی تشبیہ کا عقیدہ رکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کا ایسے اوصاف کے ساتھ متصف ہونا ثابت ہے جن کے ساتھ (بظاہر) بطور تشبیہ بہت سی مخلوق متصف ہے، ہمارے یہاں اصل مفہوم حسب ذیل ہے، یہ آیتیں مثلاً ”ثم استوی الى السماء، “استوی علی العرش (سورة الاعراف: ۵۴، سورة یونس: ۳، الرعد: ۲، الفرقان: ۵۹، السجده: ۴، الحديد: ۴)، نیز ”وجاء ربك (سورة الفجر: ۲۲)“، ”هل ينظرون الا ان ياتيهم الله (سورة البقرة: ۲۱۰) ہیں، جن میں یہ ذکر ہے کہ ’اللہ آیا، یا آئیگا، ظاہر ہے کہ ’آنا، جیسا فعل اللہ کے شایان شان نہیں)۔

درحقیقت ایسی متشابہات آیتوں کا مفہوم چند طریقوں سے بیان کیا جاسکتا

ہے:

۱۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہم انہیں اوصاف کے ساتھ متصف کریں جن کا ذکر قرآن حکیم میں آیا ہے، ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فعل اور وصف کسی دوسرے کے فعل و وصف کے ساتھ کسی قسم کی مشابہت نہیں رکھتا، کیونکہ ہمارا اجمالی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ مماثلت و مشابہت نہیں رکھتا (ان اللہ لیس کمثله شیء)، اور تہ یہ جایز ہے کہ کوئی شیء کسی طرح بھی اس کے مثل ہو، کیونکہ اس جیسا کوئی چیز

(۱) مشبہہ یعنی تشبیہ کا عقیدہ رکھنے والے دو قسم کے ہیں: (۱) وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو کسی دوسرے کی ذات کے مشابہ سمجھا۔ (۲) وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو کسی دوسری ذات کے صفات کے مشابہ گردانا۔ دونوں طرح کے لوگ مختلف گروہوں میں منقسم ہیں۔

یہاں امام منصور ماتریدی نے بظاہر دوسری قسم کے لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے، اس قسم کے لوگوں میں بعض وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو اس کی مخلوق کے ارادہ کے مشابہ سمجھا ہے (یہ بصرہ کے معتزلہ کا عقیدہ ہے)، اور بعض وہ لوگ ہیں جو اللہ کے کلام کو اس کی مخلوق کے کلام کے مانند سمجھتے ہیں۔ (دیکھئے مقالات الاسلامیین ج ۲ ص ۲۵۸، نیز الفرق بین الفرق ص ۲۲۵)۔

نہ ہوسکتی ہے نہ ہوگی، اور نہ کوئی چیز کسی طرح کسی بات میں اللہ کی مشابہت میں کبھی پہلے وجود میں آئی۔

روایت و درایت دونوں طرح سے یہ بات ناقابل قبول ہے اور کسی طرح جایز نہیں کہ صانع کسی فعل کے ساتھ متصف ہونے میں کسی دوسرے کے مانند ہو (کیونکہ اس صانع کے سوا کسی غیر کا وجود متصور نہیں)، اور اللہ تعالیٰ کا حی (صاحب حیات) قدیر (صاحب قدرت) سمیع (سننے والا) اور بصیر (دیکھنے والا) ہونا پیدا کی ہوئی اشیاء کی حقیقت کے منافی ہے کہ مخلوق زندہ ہونے، قدرت رکھنے، اور سمع و بصر رکھنے میں پیدا کرنے والے (خالق) سے بالکل مختلف ہیں۔

جب یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور کسی مخلوق کی ذات و صفات میں کوئی مماثلت و مشابہت نہیں، اور قرآن حکیم کا حکم اور بیان لازم ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفت و فعل کو اسی طرح سمجھنا چاہئے جس کا اظہار و ارادہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

۲۔ دوسرا طریقہ اسلوب بیان کا ہے جو مختلف ہوتا ہے اور جس سے طرح طرح کے معانی کا امکان ہوتا ہے، کہیں کلام کو مختصر کرتے ہیں، اور سمجھنے کے مواقع میں وضاحت سے احتراز کیا جاتا ہے، جیسے ”جاء ربك والملك،“ (الفجر: ۲۲) کہ معنی ”جاء ربك بالملك،“ ہے، یعنی تمہارا پروردگار فرشتے لایا، اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا قول اِذْ هَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ، فَاَتَلَا، (المائدہ: ۲۴) یعنی آپ (اے موسیٰ) اپنے پروردگار کے ساتھ جائیے۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے پروردگار کے ساتھ مل کر مقاتلہ کریں گے، جیسا کہ کلام سے مفہوم ظاہر ہے۔

اسی طرح یہ معلوم ہے کہ فرشتے آتے ہیں، (اور اللہ کے حکم کو عملی جامہ پہناتے ہیں)، اس مفہوم کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے ”لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ“

وہم بأمرہ يعملون،، (الانبیاء : ۲۷) یہ فرشتے اللہ تعالیٰ سے قول میں سبقت نہیں کرتے اور وہ لوگ اس کے حکم کے موافق عمل کرتے ہیں،، - اسی طرح کی آیت ہے : هل ينظرون الا ان ياتيهم الله (البقرة : ۲۱۰) الایہ، یعنی وہ نہیں دیکھتے مگر یہ کہ اللہ ان کے پاس آجائے۔ (یعنی اللہ کے آنے کا انکو انتظار رہے ؟)

مزید برآں یہ بات واضح ہے کہ کسی کا یہ عقیدہ نہیں اور نہ یہ بات کسی کے وہم میں بھی متصور ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کی آمد،، یا نزول، یا نظر کرنے، کا مفہوم وہی ہے جو ان الفاظ سے ظاہر ہے۔

فرشتوں کے نزول کے ذکر سے مراد ان کی عظمت و شان کا بیان ہے اور واقعے کی اہمیت کی توضیح، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے قول ”یوم یرون الملائکة لا بشری،، (سورة الفرقان : ۲۲) (جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے، کوئی خوشخبری نہ ہوگی۔۔) نیز ”مانزل الملائکة الا بالحق و ما کانوا اذا منظرین (سورة الحجر : ۸) ہم فرشتوں کو صرف حق کے لئے اتارتے ہیں، اور وہ اس وقت دکھائی نہیں دیتے تھے،، سے ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قول ”الرحمن علی العرش استوی،، (سورة طہ : ۵) کی دو توجیہیں ہیں :

۱۔ عرش کا مفہوم یہ ہے کہ پوری ملکیت اور پورا غلبہ جس میں کوئی کمی نہیں ہو سکتی اللہ کے لئے ہے، اور نہ اس کے سوا کسی دوسرے کی تدبیر یا غلبہ کار آمد ہے۔

۲۔ عرش کو ساری مخلوق پر بلندی و رفعت حاصل ہے، لوگوں کے اوہام میں یہ عام ہے، تو آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری بلندیوں سے ارفع و اعلیٰ ہے، اور ان کے وجود سے پہلے ہی ہر شے سے بلند تھا، اور اب بھی اس کو سب پر قدرت و غلبہ حاصل ہے، ولاقوة الابالہ۔

غرض اصل مفہوم وہی ہے جو ہم ذکر کرچکے ہیں کہ اللہ کے فعل کو مخلوق کے فعل کے ساتھ، اور اس کے کسی وصف کو مخلوق کے کسی وصف کے ساتھ کوئی اندازہ اور نسبت نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خبر دے چکا ہے کہ کوئی شے اس کے مانند نہیں؛ لیس کمثلہ شی (سورۃ الشوریٰ : ۱۱)

وقولہ : ”فسوا هن سبع سموات وهو بكل شی علیم“، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سات آسمانوں میں برابر کر دیا، اور وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔ (یہی مضمون چند طرح سے ادا ہوا ہے) ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فسوا هن (پس ان کو برابر کیا) ایک مرتبہ فرمایا : خلق سبع سموات : انہوں نے سات آسمان پیدا کئے (سورۃ الطلاق : ۱۲؛ سورۃ الملک : ۳) اور ایک مرتبہ فرمایا : فقضاہن سبع سموات (سورۃ فصلت : ۱۲) تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق سات آسمان ہونے کا فیصلہ کیا۔ اور ایک بار فرمایا : بدیع السموات (سورۃ البقرۃ : ۱۱۷) آسمانوں کو پہلی بار پیدا کرنے والا، ان سب آیتوں کا مرجع و مال ایک ہی ہے۔

وقولہ : ”واذ قال ربك للملائكة انی جاعل فی الارض خلیفة، قالوا : اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفک الدماء“۔ اور جب (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے پروردگار نے کہا فرشتوں سے کہ میں زمین میں ایک قائم مقام بنانے والا ہوں، تو فرشتوں نے عرض کیا : اے اللہ : کیا زمین میں آپ ایسے شخص کو بنائیں گے جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا؟

شیخ رضی اللہ عنہا (امام ابو منصور ماتریدی) نے فرمایا : یہ قول سورۃ بقرہ کی ان آیتوں کے بارے میں ہے جن میں آدم علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے، اور اس بات کا اظہار ہے کہ ان کے بارے میں اہل تفسیر نے ہم میں سے کسی کی شہادت کے بغیر کہا ہے کہ اس میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں وہ سب درست ہیں، یا کسی شے کی تحقیق پر یقین ہے، اور پھر اس کی پوری تفصیل کی طرف متوجہ ہوئے۔

لیکن تدبیر انسانی غالباً جن باتوں کا احتمال رکھتی ہے اور جن کا دخل ہمارے لئے مبلغ علم ہے وہ یہ ہے کہ اہل حرفہ (اور محنت کرنے والوں) کے لئے یہ وصف جائز ہے، اگرچہ فرشتوں کو ہر ایسے مفہوم سے پاک رکھنا بہتر ہے جس میں وحشت ہو جو نامانوس ہو، فرشتوں کی صفت تو اللہ تعالیٰ نے یہ بیان کی ہے کہ یہ اطاعت گزار اور فرماں بردار ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”لایعصون اللہ ما امرہم ویفعلون ما یومرون،“ (التحریم: ۶) جو حکم اللہ دیتا ہے اس سے وہ سرتابی نہیں کرتے، اور جو حکم دیتا ہے وہ کرتے ہیں۔ ”وقالوا اتخذ الرحمن ولدا لایسبقونہ بالقول،“ الایۃ (الانبیاء: ۲۷) لوگ (مشرکین) کہتے ہیں رحمان (اللہ تعالیٰ) نے (فرشتوں کو) اولاد بنالیا ہے، گفتگو میں اللہ پر سبقت نہیں کرتے۔“ ”یحافون ربہم من فوقہم ویفعلون ما یومرون،“ (النحل: ۵۰) فرشتے اپنے پروردگار سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں اور جو حکم ان کو دیا جاتا ہے وہ کرتے ہیں۔ ”لایستکبرون عن عبادتہ ولا یتحسرون (الانبیاء: ۱۹) اللہ کی عبادت سے وہ بڑائی نہیں چاہتے، اور نہ عجز و حسرت کا اظہار کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے آثار مروی ہیں جن سے فرشتوں کی طاعت و عبادت پر مواظبت و ہمیشگی ظاہر ہے (۱)۔

(۱) طبری نے سعید بن جبیر سے جید اسناد کے ساتھ روایت کی ہے، فرماتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے ایک منافق پر ایک مسلمان کا اس حال میں گزر ہوا، تو اس سے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں اور تو بیٹھا ہے؟ اس منافق نے کہا: اگر تمہیں کچھ کام ہے تو جاؤ اپنا کام کرو، مسلمان نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ ضرور کوئی ادھر سے گزریگا تو تمہارے اس فعل کو انکار کریگا۔

اتفاق یہ ہوا کہ حضرت عمر بن الخطاب گذرے، تو آپ نے اس سے کہا: اے فلاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں اور تو بیٹھا ہے؟ ان سے اس نے ایسا ہی کہا (کہ آپ اپنا کام کیجئے)، یہ میرا عمل ہے، حضرت عمر نے اس پر حملہ کیا اور اس کو اتنا مارا کہ حتم ہو گیا۔

پھر حضرت عمر مسجد میں داخل ہوئے اور حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، جب حضور فارغ ہوئے، تو عمر آپ کے سامنے کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا نبی اللہ! تھوڑی دیر ہوئی میں فلاں شخص پر گذرا بجا لیکہ آپ نماز پڑھ رہے تھے تو میں نے اس سے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہیں اور تو بیٹھا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ جاؤ اگر کچھ کام ہے تو اپنا کام کرو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں نہیں تم نے اس کی گردن ماردی؟ حضرت عمر عجلت کے ساتھ اٹھے۔